# منیر نیازی کی شاعری کا اُسلوبیاتی مطالعہ

# A Sudy of Style in Munir Niazi's Poetry

***Haleema Bibi Qureshi***
Visiting Faculty, Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi
**haleem.bibi@gmail.com**
***Dr. Aqlima Naz***
Assistant Professor, Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi
**aqlimanaz@fjwu.edu.pk**

KEYWORDS

Munir
Niazi
Style
Imagism
Ghazal
Poems
Symbols

DATES

| | |
|---|---|
| **Received** | **21-11-2024** |
| **Accepted** | **06-12-2024** |
| **Published** | **31-12-2024** |

**QR CODE**

ABSTRACT

Munir Niazi is an eminent poet of modern era. His new and unique nature of poetry is well commended by the poetry lovers. It is basically the true reflection of his personality, sad feelings, fears, superstitions and loneliness. It is believed that the poets usually cling to some literary movements, but it is not completely true for Munir Niazi. Although his poetry reflects the few effects of these movements yet he is quite successful to maintain his egoism and individuality in his character and creations. The style of his poetry reflects the local Hindi and Urdu diction. He is not inclined to suffocate his poems with foreign diction or ideas, it rather reflects his deep-rooted adherence to his land, connection to mythological tradition and affinity to values and culture. His poetic style is rich with similes, symbols, imagism, metaphor, impersonation, imagination and heartfelt feelings.

DOI:
https://journals.mehkaa.com/index.php/negotiations/article/view/119

تلخیص:

منیر نیازی عہد جدید کے نامور شاعر ہیں۔ ان کی نئی اور منفرد شاعری کو شائقین نے خوب سراہا ہے۔ یہ بنیادی طور پر اس کی شخصیت، غمگین احساسات، خوف، توہمات اور تنہائی کا حقیقی عکس ہے۔ عام تو پر یہ کہا جاتا ہے کہ شاعر کسی نہ کسی ادبی تحریک سے جڑے ہوتے ہیں، لیکن منیر نیازی کے لیے یہ بالکل درست نہیں۔ اگرچہ ان کی شاعری پر ان تحریکوں کے اثرات نظر آتے ہیں لیکن وہ اپنے کردار اور تخلیق میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنے میں کافی حد تک کامیاب ہے۔ ان کی شاعری کا انداز مقامی ہندی اور اردو لفاظی کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کی نظموں میں بیرونی اثرات بہت کم ہیں وہ اپنی زمین سے اس کی گہری جڑوں، افسانوی روایت سے تعلق اور اقدار اور ثقافت سے وابستگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کا شاعرانہ اسلوب تشبیہات، علامتوں، تخیلات، استعارے، تخیل اور دلی جذبات سے مالا مال ہے۔

منیر نیازی (9 اپریل 1928ء-26 اپریل 2006ء) عہد جدید کے اردو اور پنجابی زبان کے ایک ممتاز شاعر ہیں۔ ان کے شعری مجموعوں میں "تیز ہوا اور تنہا پھول"، "جنگل میں دھنک"، "دشمنوں کے درمیان شام"، "چھ رنگین دروازے"، "سفر دی رات"، "چار چپ چیزاں"، "رستہ دسن والے تارے"، "اغاز زمستان میں دوبارہ" شامل ہیں۔ ان کے شعری مجموعوں کے نام سے ہی ان کے اسلوب کی جھلک ملتی ہے جو تشبیہات، استعارات اور علائم سے مملو ہے۔ ان کی زیادہ تر شاعری قیام ساہیوال (گزشہ منٹگمری) کی ان دنوں کی یادگار ہے جب وہ مجید امجد کی رفاقت سے بھرپور فیض یاب ہو رہے تھے۔ لاہور کا قیام سپر ہٹ فلمی گانوں کی وجہ سے اہم ہے۔ فلم شہید کا گانا "اس بے وفا کا شہر ہے اور ہم ہیں دوستو"، "میری نظریں ہیں تلوار" وغیرہ زبان زد عام رہے ہیں۔ لیکن فلمی گیت نگاری کا یہ سلسلہ بھی ان کی سیمابی فطرت کی وجہ سے زیادہ عرصے تک نہ چل سکا۔

ان کی نئی اور منفرد طرز کی شاعری کو شائقین و قارئین نے خوب سراہا ہے۔ منیر نیازی کی شاعری بنیادی طور پر ان کی شخصیت کی حقیقی عکاسی ہے۔ بوفن کے مطابق اسلوب انسان کی شخصیت کا عکاس ہوتا ہے تو منیر نیازی کی شخصیت کی تعمیر جن داخلی اور خارجی عناصر سے وقوع پذیر ہوئی، اس کا عکس لامحالہ ان کے شعری اسلوب کو متعین کرتا ہے۔ منیر نیازی کا عہد قیام پاکستان اور ہجرت کے دو بڑے واقعات کا عہد ہے اس دور کے عام افراد عمومی طور پر اور ادیب و شاعر خصوصی طور پر ہجرت کی المناکیوں سے بری طرح متاثر ہوئے۔ نئے ملک میں انھیں بدلے ماحول، بدلی اقدار اور نئی تہذیب کے ساتھ ساتھ بدلے ہوئے لوگوں کے ساتھ رہنا تھا۔ نئے ملک میں اصولی طور پر اسلامی اقدار کی پاسداری مطمع نظر ٹھہری وہیں ماضی کی مشترکہ تہذیب بھی پیچھا کرتی رہی۔ ان کی شاعری میں خانپور کی فضاؤں کی گونج دور تک سنائی دیتی ہے۔ نظم "جن گھروں سے ہم نے ہجرت کی" میں خانپور کی گلیوں، دروازوں، ممٹیوں، کرسیوں ایک ایک چیز کا بیان ملتا ہے۔

جن گھروں سے ہم نے ہجرت کی
خانپور! اے خانپور!
تیری گلیوں میں تھیں کیسی پیاری پیاری صورتیں
مسجدوں کے سبزدر اور مندروں کی مورتیں
خانپور اے خانپور!
کُنڈ پانی کے پہاڑوں کی دراڑوں میں چھپے
صوفیوں کی خانقا ہیں تیری حد سے کچھ پرے
خانپور! اے خانپور!
آم کے تاریک باغوں میں ہوا چلتی ہوئی
قوس اک رنگوں کی کوہ و دشت پر ڈھلتی ہوئی
خانپور! اے خانپور!
تیرے چپ دیوان خانوں میں بڑوں کے قہقہے
شادیوں کی محفلوں میں چشم و لب کے جگمگھٹے
خانپور! اے خانپور!
اپنے ہونے کی تسلی، تیرے ہونے کا خیال
مٹ رہے ہیں رفتہ رفتہ یہ کشش انگیز جال(1)

منیر کی داستان حیات ہجرت کرنے والوں کی کہانی ہے جو نئی زمین پر سہانے حال اور تابناک مستقبل کی تلاش میں خون آگ کے دریا عبور کر کے آئے تھے لیکن ان کے حصے میں ان خوابوں کی کرچیاں آئی تھیں۔ منیر کی داستان ایک ایسے بچے کی کہانی ہے جو بچپن میں اپنے باپ کی ناگہانی وفات کے صدمے سے دوچار ہوا۔ اس کربناکی کی وضاحت اس مختصر دو مصرعی نظم "والد مرحوم کی یاد میں" سے ہوتی ہے:

کل میں تنہائی سے ڈر کر
اس کو ڈھونڈنے نکلا(2)

منیر نیازی نے باپ کی وفات کے بعد ماں کی چچا سے شادی کا کرب جھیلا اور سوتیلے بہن بھائیوں کے سوتیلے پن کے کرب سے وقت گزارا۔ جائداد سے ہاتھ دھونے پڑے، جوانی میں معاشی تنگدستیوں کو جھیلا، رفیق حیات کی بیماری اور جدائی برداشت کی، دوسری شادی بھی کی لیکن شومئ قسمت اولاد کی نعمت سے بھی محروم رہے، دوست احباب کے اصرار پر دنیا کے عذابوں اور

سرابوں سے بچنے کے لیے مے خوار بھی بنے، یہ اداسی، جذبات، احساسات، خوف، توہمات اور تنہائی ان کی شاعری کی فضا کی تعمیر کرتے ہیں۔ نظم "صدا بصحرا" ملاحظہ کیجیے:

چاروں سمت اندھیرا گھپ ہے اور گھٹا گھنگھور
وہ کہتی ہے "ہے کون۔؟"
میں کہتا ہوں "میں۔،
کھولو یہ بھاری دروازہ
مجھ کو اندر آنے دو۔"
اس کے بعد اک لمبی چپ اور تیز ہوا کا شور(3)

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ شاعر کسی نہ کسی ادبی تحریک سے جڑے رہتے ہیں، لیکن منیر نیازی کے حوالے سے یہ بات سو فیصد درست نہیں۔ اگرچہ ان کی شاعری ان تحریکوں (ترقی پسند، حلقہ ارباب ذوق، علامت نگاری، رومانویت وغیرہ) کے چند اثرات کی عکاسی کرتی ہے لیکن وہ اپنی شخصیت اور اپنی تخلیق میں اپنی انا اور انفرادیت کو برقرار رکھنے میں کافی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ بیتے دنوں کا کرب، گزرے موسموں کی بو باس اور گزشتہ لمحوں کی نوحہ خوانی کے لیے وہ خارجی عناصر کی طرف مائل پذیر ہیں۔ اسی لیے امیجز اور علامات کے نئے پیکر تشکیل دیتے ہیں۔

مظاہر فطرت کو علامات کے طور پر برتنے کی روایت قدیم ہے لیکن اس کو صرف فطرت کے مظہر کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ جبکہ جدید شعرا نے اس کو علامتی اظہار کا پیکر بنایا ہے راشد، تصدق حسین، منیب الرحمان اور منیر نیازی نے اس کو مختلف معنی دیے ہیں۔ منیر کے نزدیک ہوا کی اہمیت اتنی ہے کہ یہ ان کے مجموعے کے عنوان میں آدھمکی ہے۔ اور خوف، اسرار اور موت کی علامت بنی ہے۔ تیز ہوا، سائیں سائیں کرتی ہوا، زہر کی موج جیسی ہوا، بے اعتبار ہوا اور ایسے ہی کئی معنی ہوا کو دے ڈالے ہیں۔

کربلا کا واقعہ خصوصیت کے ساتھ منیر کی نظموں میں آیا ہے۔ اس کی اہمیت ان کے شعری مجموعے "دشمنوں کے درمیان شام" کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ اس معاشرے کی نفرت، بھوک پیاس، ظلم، جبر، جنگ و جدل اور بے انصافی کو اس غزل میں کربلا کے واقعے کے حوالے سے بیان کرتے ہیں

زوال عصر ہے کوفے میں اور گداگر ہیں
کھلا نہیں کوئی در باب التجا کے سوا(4)

اسی طرح نظم "ابھیمان" بھی اسی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے۔

میری طرح کوئی اپنے لہو سے ہولی کھیل کر دیکھے
کالے کٹھن پہاڑ دکھوں کے سر پر جھیل کر دیکھے(5)

منیر نیازی کی شاعری نظمِ جدید کی بدلتی ہیئتوں کو بھی اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔انھوں نے زیادہ تر آزاد نظم کو ترجیح دی لیکن نثری نظم اور مختصر نظموں (جو 1960 کی دہائی کی پیداوار ہیں) پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔افضال احمد، بلراج کومل، انیس ناگی، ثروت حسین اور منیر نیازی کے نام اس ضمن میں لیے جاتے ہیں جنھوں نے نثری نظم کے میدان میں طبع آزمائی کی ہے۔ایک نثری نظم "میرا اشانت ہونا" ملاحظہ کیجیے:

دو خوبصورت عورتیں غرا رہی ہیں
بجلیوں کی چمک میں
وقفے وقفے سے بوچھاڑ کی طرح آتی ہوا میں
دو خوبصورت عورتیں
دل کی وحشت میں غرا رہی ہیں
یہ اشانت عورتیں مجھے اشانت کرتی ہیں
ایسا بھی نہیں کہ موسم کا مجھ پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا
پر میرے دل میں فکر اتنا ہے
کہ مجھے پتہ ہی نہیں چلتا کہ میرے آس پاس کیا ہو رہا ہے
کتنا وقت گزر گیا اور کیسے گزر گیا
بس کبھی کبھی موسم کی وجہ سے
کبھی کبھی عورتوں کی وجہ سے اشانت سا ہو جاتا ہوں(6)

منیر نیازی مختصر نظموں میں بھی تاثر اور ابلاغ میں کامیابی کے لیے ہلکے پھلکے، لطیف، سہل اور سادہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔وحدت تاثر قائم رہتی ہے اور قاری آغاز و اختتام سے بے پرواہ نظم کو اپنے اعصاب میں سرایت ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔جس کی مثال ذیل کی چار مصرعوں پر مشتمل نظم "خوبصورت خیال" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے:

چھوڑو تو چھوٹ جائیں
پکڑو تو ٹوٹ جائیں
صابن کے بلبلے سے
رنگین آئینے سے(7)

منیر نیازی صنعتی اور جدید دور کے مسائل کو اپنی شاعری میں پیش کرتے ہیں اور نا آسودہ خواہشات کی تکمیل کے کے لیے اخلاق کی دھجیاں بکھیرنے والے عناصر کو چبھتے ہوئے القابات سے نوازتے ہیں۔اس سے شاعر کی جدت پسندی کے گمراہ کن رجحانات

سے نفرت اور بیزاری کا ثبوت ملتا ہے اور ایک حساس اور ذمہ دار انسان کے کرب کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔ ان کی نظم "چڑیلیں، ملاحظہ فرمائیں:

گہری چاندنی راتوں میں یا گرمیوں کی دوپہروں میں
سونے تنہا رستوں میں یا بہت پرانے شہروں میں
نئی نئی شکلوں میں آ کر لوگوں کو پھسلاتی ہیں
پھر اپنے گھر لے جا کر ان سب کو کھا جاتی ہیں
اس طرح وہ گرم لہو کی پیاس بجھاتی رہتی ہیں
ویرانوں میں موت کا رنگیں جال بچھاتی رہتی ہیں
جسم کے خوشبو کے پیچھے دن رات بھٹکتی رہتی ہیں
لال آنکھوں سے رہگیروں کا رستہ تکتی رہتی ہیں(8)

عشق و عاشقی کی رنگین و نازک دنیا اظہار کے لیے نرم و نازک اور کومل لفظوں کی متقاضی ہے۔ یہ وہ تیر ہے کہ ترقی پسند بھی اس کے گھائل ہوئے لیکن ہمارا انفرادیت کا حامل شاعر روایتی موضوع کو انتہائی چابکدستی اور مشاقی سے جدت طرازی سے نئے پیکر میں ڈھالنے میں کامیاب رہا ہے۔ مثال دیکھئے نظم "ہزار داستان"

جدھر بھی دیکھیں
مہکتے ہونٹوں کے سرخ گلشن کھلے ہوئے ہیں
جہاں بھی جائیں
حیا کے نشے سے چور آنکھیں
دلوں میں گہری اداسیوں کو اتارتی ہیں
ہزار گوئے ہیں
جن سے پاگل بنانے والی
سیاہ زلفوں کی مست خوشبو اندر رہی ہے
مگر وہ ایک ایسا پیارا چہرہ
جو ایک رت کے اداس جھونکے
کے ساتھ آکر
چلا گیا ہے! (9)

ان کی شاعری کا انداز مقامی ہندی اور اردو لفظیات کی عکاسی کرتا ہے۔ وہ اپنی شاعری کو غیر مقامی زبان محاورے یا خیالات سے معمور کرنے کی طرف مائل نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا اسلوب اپنی زمین کی جڑوں سے گہرا بندھن، افسانوی روایت سے تعلق اور

اقدار اور ثقافت سے وابستگی کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کا شاعرانہ اسلوب تشبیہات، علامتوں، استعاروں،، تمثال نگاری، محاکات نگاری،، تخیل نگاری، اور جذبات و احساسات سے مالا مال ہے۔ نظم "گاؤں کا میلہ" ان کے تخیل کی ندرت کی خوب عکاسی کرتی ہے۔

میلہ ہے یہ گاؤں کا سب ڈھول بجاتے آؤ
وحشی خون کی موجوں کو طوفان بناتے آؤ
اونچے نیلے آسمان پر جھولے چڑھتے دیکھو
جادو کے سانپوں کو چھپ کر آگے بڑھتے دیکھو
بچوں والی دور بین میں میں تارے جھڑتے دیکھو
سب رنگوں کو بھاگ بھاگ کر چور پکڑتے دکھو(10)

منیر نیازی کی شاعری کی فنی خصوصیات کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے جو اہم نکتہ نظر کے سامنے آتا ہے وہ ان کی شاعری میں عصری صورتحال کی عکاسی ہے۔ وہ ماورائی دنیا کی نہیں حقیقی دنیا کی سچائیوں کو سامنے لاتے ہیں۔ اور اگر کبھی تخیل کی بازیگری کرتے ہیں تو بھی حقیقت کے امتزاج کے ساتھ یہ منفرد آمیزش دلکشی کو بڑھاتی ہے اور ادائے اظہار کو مزید موثر بناتی ہے:

میں اور میرا سایہ
اک دفعہ میں آگے بھاگا
اور وہ میرے پیچھے
اک دفعہ وہ آگے
اور میں اس کے پیچھے(11)

منیر نیازی کے اسلوب کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ وہ شاعری کو ڈرامے اور افسانے کی صفات کے ذریعے پیش کرتے ہیں اور وہ بھی اس کامیابی سے کہ قاری کی دلچسپی لفظوں کی بازیگری میں الجھنے کی بجائے مجموعی خیال اور اثر پذیری کو پالیتی ہے اور یوں شاعر کا ذہنی تجربہ نظم "دور کا مسافر" میں قاری کے ذہن پر اتر آتا ہے:

کل دیکھا اک آدمی اڑا سفر کی دھول میں
گم تھا اپنے آپ میں جیسے خوشبو پھول میں(12)

منیز نیازی اپنی ذات کی کربناکیوں کو شعوری طور پر شاعری میں ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ ان کی شاعری اپنے فنی محاسن کے ساتھ متوازن اور معتدل خیالات لیے جذبات کی لطیف رو اور سبک ادائے اظہار کے ساتھ قارئین کے سامنے آتی ہے اور یوں شاعر کی ذات دوسروں کے سامنے عیاں نہیں ہوتی:

کوشش رائگاں
ابھی چاند نکلا نہیں

وہ ذرا دیر میں ان درختوں کے پیچھے سے ابھرے گا
اور آسمان کے بڑے دشت کو
پار کرنے کی اک اور کوشش کرے گا(13)

منیر نیازی کے اسلوب کی انفرادیت مخصوص اور جداگانہ لسانی نظام ہے۔ان کے الفاظ مقامی احساس سے گندھے ہوئے ہیں شاعری میں فارسی اور عربی الفاظ کی روایت کو برتنے کی بجائے منیر نیازی نے ہندی الفاظ کو ترجیحاً شاعری میں استعمال کیا ہے۔ ڈرامائی اور افسانوی فضا کی پیشکش میں انھوں نے وہ لسانی نظام متعارف کروایا ہے جو برصغیر پاک وہند کا مقامی لسانی ادبی و شعری نظام تھا۔یہ ہندی الفاظ علائم کے طور پر اور کہیں اصل معنی میں لائے گئے ہیں۔یہ الفاظ نامانوس ہر گز نہیں لیکن منیر نیازی ان کے انسلاک سے ایک ایسی فضا تعمیر کرتے ہیں کہ یہ برتے ہوئے مانوس الفاظ جداگانہ دلکشی لیے کاغذ پر نمودار ہوتے ہیں۔ان کے الفاظ بغیر کسی ناہمواری اور رکاوٹ کے صورتحال کے بیان میں معاون و مددگار رفیق کے طور پر سامنے آتے ہیں۔عام اور سادہ الفاظ کو اتنی انفرادیت سے جملوں میں اکٹھا کیا گیا ہے گویا وہ اسی خیال کی ترسیل کے لیے وجود میں آئے ہوں۔منیر کا لسانی طریقہ کار انفرادی ہے گو یہ دیگر شعرا کے ہاں بھی نظر آتا ہے لیکن روایت اور جدت کی جو فسوں کاری منیر نے بکھیری ہے اس کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔منیر کی اس ادا کی وجہ سے اردو کے ذخیرے میں بہت سے ہندی الفاظ شامل ہو گئے ہیں جو صرف ہندی کویتا کے لیے مخصوص سمجھے جاتے تھے:

گیت
چھوڑ کے سب سنسار
جامو ہن کے دوار----او متوالی نار
دیکھ گھٹا گھنگھور
سن ہر دے کا شور
کر سولہ سنگھار-----او متوالی نار
پھر آئے گی رین
کرے گی من بے چین
پیاسے رہیں گے نین
پڑے گی دکھ کی پھوار----او متوالی نار(14)

سہیل احمد لکھتے ہیں:

"منیر اپنے عہد کے رویوں اور نظریات کی "منظوم تشریحیں" نہیں کرتا، وہ تو بے معنی تفصیل کا بھی قائل نہیں، وہ چند سطور اور چند تصویروں میں اپنے عہد کے انسانوں اور ان کے رویوں کی اصل بنیاد کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔پھر اگر آپ چاہیں تو ان تصویروں سے معانی کی طویل داستانیں مرتب کر سکتے

ہیں۔ معانی کی انہی امکانی سمتوں کی وجہ سے منیر کی شاعری کو کسی ایک سطح یا عمر کے کسی ایک حصے سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر سطح کا انسان اس شاعری میں اپنے ذہن کے مطابق سمتیں تلاش کر سکتا ہے۔"(15)

منیر کی شاعری میں علامت نگاری مستقبل کی پیشن گوئی کے لیے بھی استعمال کی گئی ہے۔ شمالی جرمنی کا "اوڈون دیوتا" مستقبل کی خبر پانے کے لیے دو عدد زاغ ہمراہ رکھتا تھا اور منیر کے پاس آئندہ کے امکانات کو ظاہر کرنے کے لیے لفظ بطور قاصد پیش پیش ہوتے ہیں۔ منیر کی شاعری میں کردار نگاری کے جواہر جابجا ملتے ہیں ایسے کردار جو شاعر کی طرح سیماب فطرت ہیں، عصری ماحول سے باخبر اور اپنوں کی آس میں دربدر:

**ساتھیوں کی تلاش**

کچھ اپنے جیسے لوگ ملیں
ان رنگ برنگے شہروں میں
کوئی اپنے جیسی لہر ملے
ان سانپوں جیسی لہروں میں
کوئی تیز نشیلا زہر ملے
اتنی قسموں کے زہروں میں
ہم بھی نہ گھر سے باہر نکلیں
ان سونی دوپہروں میں(16)

منیر نے اپنی شاعری میں علائم اور استعاروں کا بے دریغ استعمال کیا ہے۔ ہوا، شام، موت، ریل کی سیٹی وغیرہ مستقبل کی طرف گامزن رہنے کی نوید دیتی ہیں۔ تمثیل گری اور علامت نگاری کی روایت کی پاسداری مجتہدانہ انداز میں کی ہے۔ اور ذو معنویت کو اس طور برتا ہے کہ لفظوں کی ظاہری صورت سے معنی امڈ پڑتے ہیں اور پوری شاعری کی فضا کو خوفناک اسرار یا منفرد خوشگواریت میں بدل دیتے ہیں۔ اور ان کی غزل کی بھرپور تاثیر قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ جو عارضی ہر گز نہیں بلکہ ذہن کے نہاں خانوں میں متمکن ہو جاتی ہے:

ایک تیز تیر تھا کہ لگا اور نکل گیا
ماری جو چیخ ریل نے جنگل دہل گیا(17)

منیر نیازی کے اسلوب کا ایک نمایاں پہلو منظر کشی ہے۔ فطرتی مناظر کے بیان میں منیر کی محبت جھلکتی ہے۔ لیکن فطرت کی عکاسی میں شاعر نے ذات، خیال اور تجربے کو بھی ملا کر پیش کیا ہے جس کی وجہ سے شاعری کی معنوی ثروت مندی میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ منیر نیازی کا خیال جکڑا ہوا نہیں بلکہ آزاد پرندے کی مانند ہے جو کبھی صحرا کی خاک چھانتا ہے تو کبھی فلک کی سیر کرتے ہوئے

کہکشاؤں، تاروں، آفتاب و ماہتاب سے مراسم بڑھاتا ہے۔ اپنے تنہا وجود کو ڈھونڈنے کے لیے خلانوردی بھی کرتا ہے اور بصارت کو ناکافی پاکر بصیرت کا ہمنوا بھی ہو جاتا ہے۔ یہ ذہنی اور فکری وسعت اس پر نئے جہانِ معنی کے در وا کرتی ہے۔ اور قارئین کو یکسانیت اور بوریت سے بچا کر اس کے لیے شادابی اور مسرت کا سامان بھی مہیا کرتی ہے۔ قاری شاعر کے پیدا کردہ لطیف اور شگفتہ احساس کا اسیر ہو جاتا ہے:

شبنم چمک رہی ہے سورج کی روشنی میں
رنگت مہک رہی ہے پھولوں کی تازگی میں
تتلی نے پنکھ کھولے اک لال پنکھڑی پر
جیسے کتاب کوئی مخمل کی پالکی پر
اتری کسی جہاں سے منظر کی یک رخی پر(18)

ایک اور نظم "زندگی کی رنگارنگی" متضاد نفسی کیفیات کے نفسیاتی پہلو کو نمایاں کرتی ہے:

دکھ بھی تھا اس کو شادی کا
خوش بھی ہے وہ دیکھو کتنی(19)

منیر نیازی کی شاعری میں زیادہ حصہ ان کی نظم نگاری ہے۔ ان کی نظموں کی تعداد ان کی غزلوں سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن ان نظموں میں انھوں نے غزل کی مجموعی فضا کو قائم رکھنے کی دانستہ سعی کی ہے۔ بلکہ چند نظموں میں تو قافیہ اور ردیف کے التزام کو خوب خوب برتا ہے۔ مثال کے طور پر نظم "حرف سادہ و رنگین" میں قوافی کا خوبصورت التزام اسے غزل کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے:

اک کلی گلاب کی
کوچہ چمن میں ہے
یاد اک خواب کی
شام کے گگن میں ہے
اسم سبز باب کا
پر فریب بن میں ہے
نقش اک شباب کا
سایہ کہن میں ہے(20)

منیر کی شاعری کی فضا رومانویت سے لبریز ہے۔ داخلی واردات کو بیان کرنے کے لیے ایک اسرار بھری فضا کی تصویر کشی کرتے ہیں اور اپنے خوف کو مہیب اور ڈراؤنے کرداروں کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔ اس خوف کی وجہ سے انسان شہر بساتا ہے جو

جنگل کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور یوں خوف کی چادر اور گہری ہوتی جاتی ہے۔ انسان کی نا آسودہ خواہشات، شکستہ خواب اور خوف کے آسیب اس کو چڑیلوں اور بھوتوں کی صورت میں ڈراتے ہیں۔

منیر نیازی کے اسلوب میں عصری شعور کی گونج کے ساتھ ہم عصر شعرا کی طرح ہجرت کے کرب کو اساطیر کے روپ میں پیش کرنے کا چلن ملتا ہے۔ لیکن یہ انداز ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا ہندی اساطیر سے اسلامی اساطیر میں بدلتا نظر آتا ہے۔ یہ ارتقائی سفر انھیں انتظار حسین، میرا جی، مجید امجد، احمد ندیم قاسمی، ن۔م، راشد وغیرہ سے ممتاز کر دیتا ہے اور شاعر اپنی انانیت اور انفرادیت کی روش پر کاربند رہتے ہوئے روایت کو جدت کا پیرہن دے کر عصری رجحانات کے تقاضوں پر کامیابی اور مہارت سے پورا اترتا ہے۔ غزل ملاحظہ کیجیے:

یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگان کی یاد
تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو(21)

منیر اپنی شاعری کے ذریعے قاری کو ایسی بستیوں میں لے جاتے ہیں جو شاعر کی اپنی تعمیر کردہ ہیں اور اصلی بستیاں بھی ہیں جس میں شاعر کا بچپن گزرا تھا۔ ان بستیوں کا ذکر کرتے ہوئے شاعر قارئین کو اپنی زندگی کے سفر میں شریک کر لیتا ہے۔ اور یہ بستیاں "ایک پرانی رِیت" بن کر قاری کا آسیب بن کر پیچھا کرتی ہیں اور شاعر جس طرح ماضی کی یادوں سے پیچھا نہیں چھڑا پاتا اسی طرح قاری بھی اس تجربے سے گزرتا ہے:

جو بھی گھر سے جاتا ہے
یہ کہہ کر ہی جاتا ہے
دیکھو، مجھ کو بھول نہ جانا
میں پھر لوٹ کے آؤں گا
دل کو اچھے لگنے والے
لاکھوں تحفے لاؤں گا
نئے نئے لوگوں کی باتیں
آ کر تمہیں سناؤں گا
لیکن آنکھیں تھک جاتی ہیں
وہ واپس نہیں آتا ہے
لوگ بہت ہیں اور وہ اکیلا
ان میں گم ہو جاتا ہے (22)

منیر کے اسلوب کی رنگینی میں ایک رنگ سادگی کا بھی ہے ان کے پیغام کی ترسیل اتنی آسانی اور روانی سے ہوتی ہے کہ قاری کو معنی کے حصول میں کوئی دشواری نہیں ہوتی، منیر نیازی کی کئی نظمیں ایسی ہیں جو سہل ممتنع کی حدوں کو چھوتی ہیں۔ سلاست اور اور سادگی اتنی کہ قاری پوری نظم کو ایک سرشاری اور کیف آگیں کیفیت میں پڑھ ڈالتا ہے۔ جیسے ٹھنڈے میٹھے مشروب کو کوئی تشنہ لبی کی حالت میں گھونٹ گھونٹ پینے کی بجائے غٹاغٹ حلق میں انڈیل لے اور اس کی فوری فرحت کے اثر سے گھنٹوں سرشار رہے۔

**بچوں جیسی باتیں**

آج کا کام نہ کل پر ڈالو
پر کچھ لکھنا ہے لکھ ڈالو
ادھر اُدھر کی جھوٹی باتیں
ذرا ذرا سی جیتیں ماتیں
جانے پھر کب موت آ جائے
دل کی دل ہی میں رہ جائے(23)

منیر نیازی کے اسلوب کی مدح سرائی بہت سے ناقدین نے کی ہے۔ ان کی اختصار پسندی اور مختصر نظمیں بلاشبہ جامعیت کی تعریف پر پورا اترتی ہیں۔ لیکن ایک اور پہلو جو سہل ممتنع اور سادگی کا نمائندہ منیر کے اسلوب کا خاصہ ہے اس میں منیر عام اور خاص نکات دونوں کو مشاقی سے برتنے کا سلیقہ رکھتے ہیں وہ تصوف کی باتوں کو عام گفتگو کے انداز سے کر گزرنے کا سیقہ رکھتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی ان کی اس طرز ادا پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

> "منیر پر بعض اوقات صوفیانہ واردات بھی گزرتی ہے البتہ اس واردات کے اظہار کے لیے وہ قدیم فارسی اور اردو شاعری کی خاص اصطلاحات و تراکیب سے کام نہیں لیتا۔ اس کی لفظیات اس کی اپنی ہیں۔ اس پر مستزاد اس کا مکالماتی طرز ادا ہے جیسے وہ ایک بھری محفل کو بتا رہا ہے کہ - پھر یوں ہوا کہ بظاہر یہ منیر کی سادگی اور اور سادہ روی ہے-"(24)

یوں منیر نیازی نے ہم عصر شعرا کے درمیان اپنی انفرادیت قائم رکھی۔ ان کی یہ انفرادیت نہ صرف فکری بلکہ فنی خصوصیات میں بھی جھلکتی ہے۔ عام لفظیات کو نئے مناظر کی تشکیل کے لیے نیا پیراہن عطا کرنے کے ساتھ ساتھ ڈرامائیت اور مکالماتی طرز ادا کو نہایت مہارت اور فنی چابکدستی سے نظموں، غزلوں اور گیتوں کے قالب میں اتارا ہے۔ احمد ندیم قاسمی ان کی شاعری کے اسلوب کے متعلق رقم طراز ہیں:

> "منیر کی شاعری محض مشاہدے کی شاعری نہیں ہے۔ یہ مشاہدات تو اس کے محسوسات کا صرف پس منظر فراہم کرتے ہیں۔ احساس کا منقش اظہار منیر نیازی کا منفرد اسلوب ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کی

شاعری کو اگر کامیاب اور کارگر شاعری قرار دیا جائے تو یہ مبالغہ نہیں ہے، صداقت بیانی ہے۔ منیر نیا
زی کی یہ شاعری آخری سچائی کی سمت جانے والوں کے سفر کو آسان اور آسودہ بنا دیتی ہے۔"25

منیر کی شخصیت کی یہ انفرادیت ان کی شاعری میں عمدگی سے منعکس ہوئی اور منفرد اسلوب کی بدولت روایتی اور برتے ہوئے الفاظ و تراکیب اور جملوں کی ترتیب نے ایک انوکھی تابناکی حاصل کی جس کی بدولت منیر نیازی افقِ شاعری پر تابندگی سے جگمگا رہے ہیں۔

## حوالہ جات

1. منیر نیازی، ماہِ منیر (لاہور: ماورا پبلشرز، 1986ء)، 23۔
2. منیر نیازی، ساعت سیار (لاہور: ماورا پبلشرز، 1986ء)، 14۔
3. منیر نیازی، تیز ہوا اور تنہا پھول (لاہور: ماورا پبلشرز، 1986ء)، 73۔
4. منیر نیازی، دشمنوں کے درمیاں شام (لاہور: ماورا پبلشرز، 1986ء)، 66۔
5. منیر نیازی، تیز ہوا اور تنہا پھول، 65۔
6. منیر نیازی، پہلی بات ہی آخری تھی، (لاہور: ماورا پبلشرز، 1986ء)، 61۔
7. منیر نیازی، دشمنوں کے درمیاں شام، 12۔
8. منیر نیازی، جنگل میں دھنک (لاہور: ماورا پبلشرز، 1986ء)، 46۔
9. ایضاً، 17۔
10. ایضاً، 31۔
11. ایضا، 76۔
12. ایضاً، 11۔
13. ایضاً، 16۔
14. ایضاً، 109۔
15. سہیل احمد، کھلے منظروں کی دنیا کلیات منیر، ماہ منیر (لاہور: ماورا پبلشرز، 1986ء)، 9۔
16. منیر نیازی، دشمنوں کے درمیان ایک شام، ایضاً، 15۔
17. ایضاً، 51۔

18. منیر نیازی، چھ رنگین دروازے (لاہور: ماورا پبلشرز، 1986ء)، 21۔
19. منیر نیازی، دشمنوں کے درمیاں ایک شام، 29۔
20. ایضاً، 46۔
21. منیر نیازی، تیز ہوا اور تنہا پھول، 28۔
22. ایضاً، 79۔
23. ایضاً، 82۔
24. احمد ندیم قاسمی، منیر کی منور شاعری، کلیات منیر چھ رنگین دروازے (لاہور: ماورا پبلشرز، 1982ء)، 13۔
25. ایضاً، 12۔

## References in Roman Script

1. Munir Niazi, Mah-e-Munir (Lahore: Mawra Publishers, 1986), 23.
2. Munirniazi, Saat Siyar (Lahore: Mawra Publishers, 1986), 14.
3. Munir Niazi, Taez Hawa aur Tanha Phool (Lahore: Mawra Pushers, 1986), 73.
4. Munir Niazi, Dushmnoon ky Darmian aik Sham (Lahore: Mawra Publishers, 1986), 66.
5. Munir Niazi, Taez Hawa aur Tanha Phool, 65.
6. Munir Niazi, Pehli Bat hi Akhri thi, (Lahore: Mawra Publishers, 1986), 61.
7. Munir Niazi, Dushmnoon ky Darmian aik Sham, 12.
8. Munir Niazi, Jungle main Dhanak (Lahore: Mawra Publishers, 1986), 46.
9. Ibid, 17.
10. Ibid, 31.
11. Ibid, 76.
12. Ibid, 11.
13. Ibid, 16.
14. Ibid, 109.
15. Sohail Ahmad, Khuly Manzroon ki Dunia, Kullyat-e-Munir, Mah Munir (Lahore: Mawra Publishers, 1986), 9.
16. Munir Niazi, Dushmnoon ky Darmian aik Sham, also, 15.
17. Ibid, 51.
18. Munir Niazi, Chey Rangeen Darwazy (Lahore: Mawra Publishers, 1986), 21.
19. Munir Niazi, Dushmnoon ky Darmian aik Sham, 29.
20. Ibid, 46.

21. Munir Niazi, Taez Hawa aur Tanha Phool, 28.
22. Ibid, 79.
23. Ibid, 82.
24. Ahmad Nadeem Qasmi, Munir ki Manwar Shairi, Kullyat Munir Chey Rangeen Darwazy (Lahore: Mawra Publishers, 1982), 13.
25. Ibid, 12.